ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

ڈاکٹر شبنم نیاز
اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔
ڈاکٹر نائیلہ انجم
اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

اردو اور ہندی زبان کے ارتباط و انسلاک کی روایت

Dr. Shabnam Niaz*
Assistant Professor, Lahore College for Women University, Lahore.
Dr. Naila Anjum
Assistant Professor, Lahore College for Women University, Lahore.

***Corresponding Author:**

The Tradition of Urdu-Hindi Language's Communication and Interaction

ABSTRACT
Urdu and Hindi languages are like two companions playing together in the same courtyard, constantly influencing and accepting each other's impact. Urdu, being a captivating and versatile language has beautifully embraced numerous words from Hindi, just like it has done with other languages. This influence has led to create the notion that Hindi and Urdu are the same languages. This article presents after the study of historical references, linguistic facts, and language rules to demonstrate that Urdu has accepted the influences of Hindi, just as it has accepted influences from other languages. However, despite this Urdu language has firmly maintained its identity, position, and status. Urdu and Hindi, in their respective places, are complete means of expressing the emotions and feelings of their speakers and in this regard, they have their own unique identities and status.

Key Words: *Influence, Linguistic Facts, Captivating, Identity, Demonstrate.*

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

ماخذ تحقیقی مجلہ

لسانیات اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے زبان کی ماہیئت، تشکیل و ارتقاء اور عروج و زوال کے بارے میں آگاہی ملتی ہے۔ لسانیات کو کائنات، معاشرتِ انسانی اور متعلقاتِ انسانی سے متعلقہ علوم میں جو اہمیت حاصل ہے اس کے بارے میں احساس و آگاہی بہت بعد میں ہوئی۔ فرانس کے ایک مشہور مصنف ای۔ گوبلو نے پہلی بار اپنی کتاب "تقسیمِ علوم" میں علمِ لسانیات کی تعریف کی اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اس وقت سے لے کر اب تک اس علم کے مقاصد و فوائد اور اصول و ضوابط پر متعدد کتب دُنیا کی دیگر زبانوں میں لکھی جاچکی ہیں۔ مغربی ماہرین نے لسانیات کے مقاصد کی وسعت و ہمہ گیری اور گوناگونی پر مقالے تحریر کیے ہیں۔ زبانوں کا تجزیہ، اُن کی تاریخ، اُن کا باہمی ارتباط، اُن کی معنوی ساخت اور اُن کی ظاہری تقسیم و گروہ بندی پر غور وخوض کرنا لسانیات کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ چونکہ زبان لفظوں سے بنتی ہے اس لیے لسانیات کا تعلق بالعموم لفظوں ہی سے ہوتا ہے۔

صرف اساتذہ السنہ ہی کو لسانیات سے دلچسپی نہیں بلکہ بعض دیگر علوم و فنون کے ماہرین کو بھی اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ماہرینِ نفسیات ابتداء میں لسانی طرزِ ارتقاء کی طرف زیادہ متوجہ نہیں تھے مگر اب زبانوں کے تجزیے کی طرف خاص احتیاط و توجہ کے ساتھ مائل ہوگئے ہیں۔ تاکہ انسانوں کی عادات و روایات، ترجیحات اور عملِ تطابق پر کامیابی سے روشنی ڈالی جا سکے۔ نامور زبان دانوں، فلسفیوں اور ماہرین نے بھی اس طرف خاص توجہ دی ہے۔ انھوں نے نا صرف زبان و خیال کے بارے میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ علم اور تجربوں کی جماعت بندی اور روایتی اشاروں کے ساتھ معانی اور مطالب کے تعلق پر بحث کرنے کے سلسلہ میں اصولِ لسانیات سے مستفید ہوئے۔

ڈیوڈ کرسٹل لسانیات کے علم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "یہ بات باآسانی کہی جاسکتی ہے کہ لسانیات کا علم سائنٹفک طریقے سے زبان کا مطالعہ کرتا ہے اس علم کا موضوع زبان ہے۔ عام طور پر ایک زبان اور بالخصوص کئی زبانیں۔ اس تعریف میں "سائنٹفک" اور "زبان" دونوں لفظوں کی یہاں وضاحت ضروری ہے۔ پہلے لفظ سائنٹفک کو لیجیے۔ مطالعہ زبان کی تاریخ کے سرسری جائزے سے اس لفظ کی بہتر وضاحت ہوسکتی ہے۔ زبان کی ماہیئت سے لوگ سالہا سال سے دلچسپی لیتے آئے ہیں۔ کسی بھی قوم کی قدیم ترین تاریخ کے مطالعہ سے زبان کی اہمیت کی شعوری یا غیر شعوری ہوشمندی کی شہادتیں ملیں گی۔" (۱)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

عام طور پر لسانیات کو ایک جدید علم سمجھا جاتا ہے جو انیسویں صدی کی ہی پیداوار ہے یہ بات دُرست نہیں۔ درحقیقت یہ نہایت قدیم علم ہے جس پر یونان اور اسکندریہ میں کامیاب طریقوں پر غور وخوض کیا جاچکا ہے۔ ان لسانیاتی کوششوں کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ السنہ عالم کی نہایت صحیح تشریح اور جماعت بندی ہو سکے۔ یہ کام پہلے بالکل ناممکن تھا اگرچہ اب بھی خاص خاص ماہرینِ لسانیات کے درمیان چند جزوی مسائل کے بارے میں اختلاف ہے لیکن جہاں تک زبانوں کی عام تقسیم اور تجزیہ کا تعلق ہے لسانیات کے اعلیٰ اصول وضوابط متعین کردیئے گئے ہیں۔

زبان ایک ایسے صوتی سلسلے کا نام ہے جو کہ انسان کے اعضائے نطقی کے ذریعے ظہور میں آتا ہے اور اعضائے سامعی کے ذریعے سماعت پذیر ہوتا ہے جو کہ حقیقی جذبات احساسات کا اظہار فطری اشاروں، چہرے کے تاثرات اور موقع محل کے مطابق حلق سے خود بخود پیدا ہونے والی آوازوں کے ذریعے بے ساختہ طور پر سامنے آجاتا ہے۔ زبان کا یہ صوتی پہلو انسان کی معراج کا زینہ بھی ثابت ہوا ہے۔ الفاظ کی یہ اکائیاں ہمارے دماغ کی گہرائیوں میں صوت کے ذریعے ہمارے احساسات وتجربات کو محفوظ رکھتی ہیں۔ اس سارے عمل میں قوتِ گویائی اور قوتِ سماعت دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔ کیونکہ زبان کے وجود کا دارومدار صرف بولنے والے پر نہیں بلکہ سُننے والے پر بھی منحصر ہوتا ہے۔

زبان خیالات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اس کا کام یہ ہے کہ لفظوں اور فقروں کے ذریعے انسانوں کے ذہنی مفہوم ودلائل اور ان کے عام خیالات کی ترجمانی کرے اس ترجمانی میں وہ حرکات جسمانی بھی شامل ہیں جو کسی مفہوم کے سمجھانے کے لیے خاص خاص زبان والوں کے درمیان مشترک ہوتی ہیں۔ڈاکٹر محی الدین قادری زور زبان کی تشکیل وارتقاء کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> "زبانوں کی ارادی تشکیل عموماً دو ذریعوں سے عمل میں آتی ہے ایک ذریعہ عوام کا ہے اور دوسرا عالموں اور انشاپردازوں کا۔ عوام زبان کی تخلیق یا تشکیل میں دراصل اپنی مرضی یا ارادہ سے حصہ نہیں لیتے، حالات وواقعات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ انھیں اپنے لفظی خزانے میں اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ وہ اکثر دفعہ محسوس بھی نہیں کرسکتے کہ یہ اضافہ کس طرح عمل میں آرہا ہے۔ مگر چُوں کہ زبانوں کا یہ تغیر وتبدل اور حذف واضافہ ان کی اپنی لسانی یا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16
ماخذ تحقیقی مجلہ

صوتی خصوصیتوں کی بناء پر نہیں ہوتا بلکہ عوام کے سیاسی اور اقتصادی حالات اور تغیر و تبدل کا نتیجہ ہوتا ہے اس لیے یہ عمل فطری تشکیل نہیں کہلاتا۔" (۲)

لسانیات کے نقطہ نگاہ سے زبان کی تین اقسام ہیں:

"۱۔ معیاری زبان

۲۔ تحریری زبان

۳۔ ادبی زبان" (۳)

زبان کی ان تین اقسام میں پہلی قسم معیاری زبان کی ہے۔ معیاری زبان سے مراد ایسی زبان جس کی بنیادی نوعیت یہ ہے کہ یہ مختلف بولیوں کے درمیان ایک نقطہ اعتدال کا کام کرتی ہیں۔ حقیقی معنوں میں معیاری زبان وہ ہے جس کے ذریعے زندگی کے سارے پہلوؤں اور پیچیدہ خیالوں کا اظہار ہو سکے۔ اور جس کے ذریعے سب لوگ اس قسم کا اظہار بھی کر سکیں۔ زبان کی دوسری قسم تحریری زبان ہے۔ دراصل تحریری زبان وہ ہے جس کا استعمال زیادہ ترخط وکتابت اور تجارتی لین دین کے لیے ہوتا ہے۔ یہ تحریری زبان اکثر معیاری زبان کے زیادہ قریب رہتی ہے لہٰذا تحریری زبان اور بول چال کی زبان میں بہت فرق ہوتا ہے۔ معیاری زبان عموماً تحریری زبان کی پابند نہیں ہوتی وہ ان پابندیوں کو توڑ کر آگے بڑھتی ہے۔ زبان کی تیسری قسم ادبی زبان ہے۔ ادبی زبان سے مُراد ہے جو ادب میں مستعمل ہے اور یہ زبان معیاری اور تحریری زبان سے دور رہتی ہے۔

ہندوستان میں بولے جانے والی عام زبان جسے ہندی کہتے ہیں دراصل "ہندوی" لفظ سے بنا ہے۔ یوں تو اس زبان کی تشکیل و ارتقاء کے بھی بہت سے مراحل ہیں مگر "ہندی" کا لفظ ایک جداگانہ زبان کے معنوں میں دراصل فورٹ ولیم کلکتہ ۱۸۰۰ء کے اربابِ حل و عقد کے منشاء پر مستعمل ہوا۔ ڈاکٹر گیان چند جین ہندی زبان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندی کا نام "ہندی" انیسویں صدی کے آخر کا ہونا چاہیے۔ پہلے پوربی، برج بھاشا وغیرہ مستعمل تھے۔ اس لیے اردو ہندی کے ناموں کو نظر انداز کر کے ہم ان کی ماہیئت پر غور کریں۔ اہل ہندی کا دعویٰ رہا ہے کہ اُردو کوئی علیحدہ زبان نہیں، یہ ہندی کا ایک اسلوب ہے۔ لسانیات کا قاعدہ ہے کہ زبانوں کے تعین میں صرف تقریری روپ معتبر ہے، تحریری روپ کی اہمیت نہیں۔ اس لیے اہلِ لسانیات اُردو اور ہندی کو کھڑی بولی کے روپ قرار

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16
ماخذ تحقیقی مجلہ

دیتے ہیں۔ کھڑی بولی کی حیثیت زبان کی نہیں، بولی کی ہے جو مغربی ہند کی معیاری بولی ہے۔
دراصل گریرسن اور دوسرے مستشرقین نے مغربی ہندی کو ہندوستانی اور مشرقی ہندی کو پوربی کہا ہوتا تو خواہ مخواہ انھیں ایک زبان کی بولیاں نہ سمجھ لیا جاتا۔" (۴)

فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد جب ہندی زبان کو ایک الگ زبان کے معنی ملے تو اس سلسلے میں بڑے تصنیفی اور تحقیقی کام سامنے آئے۔ اس کالج میں ڈاکٹر گلکرسٹ کی سربراہی میں مشرقی زبانوں یعنی عربی، فارسی، سنسکرت اور اُردو کی تعلیم و تدریس کا جو شعبہ قائم کیا گیا اس میں نصابی ضرورت کے لیے مختلف زبانوں کی منتخب کتابیں اُردو میں ترجمہ کرائی گئیں۔ ہندی میں نہال چند لاہوری، منشی بنی نرائن جہاں اور للو لال جی نے بھی ترجمے کیے۔ برہمن للو لال جی نے جو تراجم کیے ان کی نوعیت دوسرے ترجمے سے بالکل مختلف تھی۔ للو لال نے پریم ساگر کے نام سے "بھگوت گیتا" کے ایک حصے کا ترجمہ کیا اور اسے فارسی رسم الخط کی بجائے "دیوناگری" میں مرتب کیا۔ پریم ساگر کے علاوہ انھوں نے بعض دوسری کتابیں مثلاً "راج نیتی"، "لطائفِ ہندی" اور "سنگھاسن بتیسی" کو مرتب کیا۔ ان کتابوں میں فارسی اور عربی کے مروجہ الفاظ سے گریز کر کے دانستہ "برج بھاشا" اور سنسکرت کے الفاظ کو جگہ دی گئی۔ یہ کتابیں ہندوؤں میں بطورِ خاص مقبول ہوئیں اور ان کی خوب پذیرائی کی گئی۔ سید محمد لکھتے ہیں:

"للو لال جی، ان کے رفقاء اور فورٹ ولیم کالج کے کرتا دھرتا دراصل "ہندی" زبان کے موجد ہیں، ورنہ اس سے پہلے نہ تو ہندی نام کی کوئی زبان تھی اور نہ اس میں تصنیف و تالیف کا کوئی نمونہ موجود تھا۔" (۵)

جو زبان مسلمانوں کی آمد کے بعد سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے لگی اور جس کا نام آخر کار اُردو ہو گیا اس کو بھی "ہندی" یا "ہندوی" زبان کے نام سے پکارا جانے لگا۔ حضرت امیر خسروؒ نے غرۃ الکمال، میں اور بعض اشعار میں بھی ہندی کے متعلق کہا ہے کہ "جزو چند ہندی نذر دوستاں کردہ است" تقریباً تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ خسرو جس زبان کو ہندوی کہتے ہیں وہ درحقیقت اردو ہی کا قدیم نام ہے۔ اردو میں ہندی اور ہندوی کے الفاظ ایک طویل مدت تک مستعمل رہے لیکن اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا کہ ان سے مراد کبھی وہ ہندی زبان تھی جو دیوناگری رسم الخط میں اٹھارویں صدی کے بعد رائج ہوئی۔ البتہ "ہندی" کا لفظ زبانوں کے خاص گروہ کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ استعمال بھی ڈیڑھ سو سال سے زیادہ پرانا نہیں ہے۔ زبانوں کی تقسیم میں بھی ہندی کا لفظ کسی خاص زبان کی نہیں بلکہ علاقے کی نسبت سے زبانوں کے خاص گروہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان دو معنوں کے سوا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

"ہندی" کا لفظ کسی مخصوص زبان کے معنی میں نظر نہیں آتا۔ بقول گوپی چند نارنگ:

"فورٹ ولیم کالج میں اُردو اور ہندی میں الگ الگ درسی کتابیں لکھوائی گئیں یہاں چند ہندی منشیوں کو خاص اس خدمت پر مامور کیا گیا کہ وہ اس زمانے کی ضرورت کے پیشِ نظر ہندی نثر کی کتابیں تیار کریں۔ اس کے بعد کے برطانوی تسلط، سامراجی حکمتِ عملی، سیاسی دباؤ اور باہمی شک وشبہ نے ایک پیڑ کی دو شاخوں کو الگ الگ کر کے رکھ دیا اور ایک بڑے تنے سے دو درخت الگ الگ بنتے چلے گئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہندی اور اُردو کے الگ الگ زبان بن جانے سے ان دونوں کا لسانی رشتہ ختم ہو گیا۔ دونوں کی ادبی روایتیں ادبی معیار، ادبی موضوعات اور ادبی تاریخ کتنی ہی الگ الگ کیوں نہ سہی دونوں کا لسانی ڈھانچہ اب بھی ایک ہے۔ اول تو دونوں کی تقریباً چالیس آوازوں میں صرف پانچ چھ کو چھوڑ کر باقی سب کی سب ایک ہیں۔" (۶)

مگر ان تمام دلائل کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ہندی کو مقبول ہونے میں بہت دیر لگی کیونکہ اردو کے مقابلے میں یہ زبان بہت بعد میں جا کر جنم لیتی ہے اور حقیقت میں ۱۸۵۷ء کے بعد لوگوں نے ہندی کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ اور "ہندی" کو مضبوط کرنے کی کوشش بھی ۱۸۵۷ء کے بعد ہی شروع ہوئیں۔

اسی زمانے میں بہت سے لوگوں نے اس کی قواعدیں لکھیں حتیٰ کہ حکومت بالخصوص صوبائی حکومتوں نے لوگوں کو اُردو کے استعمال سے روک دیا۔ اور پھر ہوا یہ کہ فورٹ ولیم کالج کے منشیوں نے یہ شوشا چھوڑا کہ للولال جی جو اُردو زبان اور اُردو کتب کے مصنف بھی تھے اس کی بنا ڈالی وہ اس طرح کہ انھوں نے اُردو کی بعض کتابیں لے کر ان میں سے عربی اور فارسی کے الفاظ چُن چُن کر الگ کیے اور ان کی جگہ سنسکرت کے مانوس الفاظ جما دیے اس طرح ایک نئی زبان ہندی بن گئی اور جدید ہندی سے جو لوگ واقف ہیں وہ سب اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

اور پھر کچھ عرصہ بعد جب اسی ہندی کو ہندو قومیت کی علامت بنا کر ابھارا گیا تو وہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ کا باعث بنی۔ خاص طور پر ہندی اُردو تنازع جو دیوناگری رسم الخط کے رائج کرنے کی تحریک کی وجہ سے ہوا۔ اسی حوالے سے محی الدین قادری زور لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

ماخذ تحقیقی مجلہ

"ناگری رسم الخط کے استعمال نے ہندوستانی کی ہمہ گیری اور ترقی کو بہت دھکا پہنچایا۔ اس تفرقہ کی وجہ سے پہلے وہ تمام ہندوستان کی مشترک علمی و ادبی زبان نہ رہی اور پھر اس کا فطری ارتقاء محدود ہو گیا۔ ایک ہی زبان ہندوستانی جب ناگری میں لکھی جاتی ہے تو اس کو ہندی کہتے ہیں اور جب فارسی رسم الخط میں قلم بند ہوتی ہے تو اُردو کہلاتی ہے چوں کہ ہندوستانی کی اس جدید شاخ ہندی میں برج بھاشا اور سنسکرت کے زیادہ سے زیادہ الفاظ داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انھی اجنبی الفاظ کی وجہ سے جب کوئی اُردو داں ہندی سنتا یا پڑھتا ہے تو وہ اس کو بالکل بَرج بھاشا معلوم ہوتی ہے۔" (۷)

کچھ مغربی مصنفین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ہندی الگ سے کوئی زبان نہیں تھی۔ یہ اُردو کے مقابلے میں عربی و فارسی کو اُردو سے خارج کر کے اور ان کی جگہ سنسکرت الفاظ کو داخل کر کے بنائی گئی ہے۔ اور ہندی کی آغاز میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئیں ان میں صرف "پریم ساگر" حقیقتاً جدید ہندی میں ہے۔ اس کتاب کو بعض حلقوں کی طرف سے اتنی شہرت و اہمیت ملی کہ یہ جدید ہندی کی پیدائش و ارتقاء کے سلسلے کی پہلی کڑی کہلائی جانے لگی۔

للولال جی نے کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد کلکتے میں اپنا ایک ذاتی چھاپا خانہ قائم کیا۔ بعد میں یہ چھاپہ خانہ، آگرے منتقل ہو گیا اور اس میں جدید ہندی کی کتابوں کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا گیا۔ عیسائی پادریوں نے "پریم ساگر" کی زبان سے خاص طور پر دلچسپی کا اظہار کیا چنانچہ اس زمانے میں تبلیغی ضرورت کے تحت پادریوں نے مروّجہ اُردو کی بجائے للولال جی کی ہندی کو استعمال کیا۔ جن میں عربی اور فارسی کی جگہ دانستہ طور پر سنسکرت کے الفاظ شامل کر دیئے جاتے۔ ہندی زبان کی ایجاد و ترویج میں انگریزوں اور پادریوں نے بھی کوششیں کیں۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں انگریزی حکومت کی مصلحتوں نے فورٹ ولیم کالج میں پہلے پہل نئی ہندی کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے للولال جی سے "پریم ساگر" ایسی ہندی زبان میں لکھوائی جس کا تعلق اُردو سے تھا نہ بَرج بھاشا سے بلکہ کھڑی بولی اور ہندوستانی سے تھا۔ فرق یوں ڈالا گیا کہ اس میں سنسکرت کے الفاظ کثرت سے داخل کیے گئے اور یہ قرار دیا گیا کہ جس زبان میں فارسی اور عربی الفاظ کثرت سے ہوں وہ اُردو ہے اور مسلمانون کی زبان ہے۔ بنیاد تو نئی ہندی کی اس طرح پڑ گئی لیکن بہت عرصے تک یہ پنپی نہیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد اس نئی ہندی میں کتابیں لکھی جانے لگیں اور جُوں جُوں ہندو اور مسلمانوں میں قومی اور سیاسی اختلافات بڑھتے گئے، نئی ہندی اس جوش میں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16
ماخذ تحقیقی مجلہ

ابھرتی گئی۔ فارسی اور عربی کے وہ الفاظ جو زبان کے روزمرہ میں داخل ہو گئے تھے نکالے جانے لگے اور ان کی جگہ سنسکرت کے بھاری الفاظ داخل کیے جانے لگے۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے شروع ہوا اور پھر یہ کام انگریزوں کی تعلیمی ولسانی پالیسیوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ بقول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ:

> ”اُردو اور ہندی اپنی بنیاد اور جڑ سے ایک ہیں۔ ان کی نشوونما اس طور پر ہوئی کہ اب یہ دو آزاد، مستقل بالذات اور الگ الگ زبانیں ہیں البتہ کئی سطحوں پر یہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑی ہوئی ہیں کہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔ اس باہمی اشتراک کی وجہ سے موجودہ لسانی صورتِ حال کچھ اس طرح کی ہے کہ اگر ہندی اور اُردو کو دو دائروں کی شکل میں ظاہر کیا جائے تو دونوں دائرے ایک دوسرے سے ملتے ہوئے نظر آئیں گے اور دونوں دائروں کا نِصف سے زیادہ حصہ ایک دوسرے پر منطبق ہوتا ہوا معلوم ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اردو میں تقریباً تین چوتھائی الفاظ دیسی ہیں یعنی یہ وہی ہیں جو ہندی میں استعمال ہوتے ہیں عربی فارسی سے مستعار سرمایہ صرف دس پندرہ ہزار لفظوں کا ہے اور یہ بھی سب کا سب استعمال نہیں ہوتا۔“ (۸)

۱۸۳۷ء میں جب فارسی کی جگہ اُردو کو سرکاری زبان قرار دیا گیا، اور ۱۸۳۹ء میں صدرِ عدالت دیوانی اور نظامت میں بھی اسے سرکاری حیثیت حاصل ہو گئی، بظاہر انگریزی حکومت کا یہ اقدام اُردو کے حق میں تھا لیکن اس تبدیلی سے انگریزوں کی نظر بڑے دور رس نتائج پر تھی اور یہ نتائج سراسر حکومت کے مفاد میں تھے۔ فارسی کو ختم کر کے انگریزوں نے بڑی خوش اسلوبی سے اس مضبوط و قدیم ثقافتی رشتے کو کاٹ دیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فارسی کو ختم کرنے اور اس کی جگہ اُردو کو عارضی طور پر سرکاری بنانے کا اصل مقصد، اُردو کو یا مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا نہ تھا بلکہ اس طرح انگریزی اور بعض دوسری زبانوں مثلاً ہندی کو فارسی اور اُردو کے مقابلے میں آگے بڑھانا تھا۔

اس کے علاوہ ہندی کو بڑھاوا دینے کے لیے بہت سے دعوے کیے گئے۔ پہلا دعویٰ یہ تھا کہ اُردو بدیسی زبان ہے اور اس کا ہندوستان سے نہیں عرب و ایران سے تعلق ہے جب کہ اس کے مقابلے میں ہندی خاص ہندوستان اور اس کے مقامی لوگوں کی زبان ہے۔ دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ وہ سنسکرت سے ماخوذ ہے جب کہ تاریخ اور لسانیات کی رُو سے یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے۔ اور تیسرا دعویٰ یہ کیا گیا ہے ہندی مقامی ثقافت کی وارث اور ترجمان ہے اور آخری یہ کہ ہندی کا ہندوستان کی دوسری بڑی زبانوں سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ ہندی کے بارے میں اس طرح

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16
ماخذ تحقیقی مجلہ

کے دعوے بالکل بے بنیاد ہیں۔ ہندی نہ صرف یہ کہ ادبی سرمائے بلکہ عوامی مقبولیت، مقامی تہذیبوں کی نمائندگی اور حلقۂ اثر کی وسعت کے لحاظ سے بھی اُردو کے مقابلے میں بہت کمتر ہے اور قدامت کے لحاظ سے تو وہ اُردو سے بہت ہی کم عمر ہے اس لیے کہ ہندی نے ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ یا اس کے کچھ عرصہ بعد جنم لیا جب کہ اُردو ایک پختہ زبان کی حیثیت سے کم و بیش چار سو سال پرانی ہے۔ فورٹ ولیم کالج میں کیے جانے والی تراجم اور تصانیف اس کا مُنھ بولتا ثبوت ہیں۔ اُردو نثر اس تجربے کے بعد اور نکھر کے سامنے آئی۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> ”فورٹ ولیم کالج میں نثر کا تجربہ ہوا ئی نہیں تھا اور نہ ہی یہ روایت کے پچھلے دور سے یک سر کٹا ہوا تھا۔ نثر کے اسلوب کا نیا تجربہ جو فورٹ ولیم کالج کی شناخت بن گیا تھا، ۱۸۰۰ء کے آس پاس کی ادبی فضا، اسلوب، بول چال کے معیار اور ان تبدیلیوں کا مظہر ہے جو تھکی ماندہ اُردو نثر ایک نئی زندگی شروع کرنے والی تھی۔ اس دور میں اگرچہ مرصع و مسجع نثر کا اسلوب قبولِ عام کا درجہ رکھتا تھا اور تہذیبی سطح پر بھی اس اسلوب کو معیار کا درجہ حاصل تھا، مگر اس عہد میں سلیس اسلوب کی ایک دوسری شکل بھی زیرِ سطح پیدا ہو رہی تھی اور یہ زیرِ سطح شکل آہستہ آہستہ اپنا وجود بنانے میں مصروف تھی۔“ (۹)

ہندوستان کی تاریخ اور زبان و ادب کا جائزہ لیا جائے تو زبانوں کا ایک جال سا بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ دنیا کا شاید ہی ایسا کوئی دوسرا خطہ ہو جہاں اتنی زیادہ زبانیں بولی جاتی ہوں لیکن جو زبان ہر علاقے، ہر صوبے اور ہر طبقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے وہ صرف اُردو ہے۔ اُردو کو یہ مقبولیت آج سے نہیں بلکہ کئی صدیوں سے حاصل ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں اگرچہ ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی تھی تاہم بعض شہادتیں اس بات کا قطعی ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ روزمرہ کی زندگی میں اُردو اس درجہ رچ بس چکی تھی کہ کاروبار کی ضروریات کے سلسلے میں غیر ملکی تاجروں کے لیے بھی اس سے پوری واقفیت ناگزیر ہو گئی تھی۔ اُردو کی یہ مقبولیت بے سبب نہیں ہے۔ اُردو اپنی ساخت میں ایک مخلوط زبان ہے۔ یعنی اس کی اساس مختلف زبانوں کے الفاظ کے اختلاط پر قائم ہے۔ اس اساس کو ہندو اور مسلمان کی سماجی، معاشرتی، اور سیاسی ضرورتوں نے جنم دیا اور ان پر دونوں کی باہمی کوشش سے اس نے ترقی کی راہیں طے کیں۔ یہ زبان اپنے ذخیرہ الفاظ کے لحاظ سے زبانوں کی ایک بین الاقوامی انجمن ہے۔ اس لیے اس میں شرکت کے دروازے ہر زبان کے الفاظ پر ہر وقت کھلے ہوئے ہیں چنانچہ اُردو میں ایک بھی فقرہ ایسا نہیں ملے گا جس میں دو تین زبانوں کے الفاظ شامل نہ ہوں اس وجہ سے ہر علاقے کی زبان کے الفاظ بھی اس کے اندر راہ پا گئے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

ماخذ تحقیقی مجلہ

اور ہر علاقے کے لوگ اسے اپنی زبان سمجھتے ہیں اور اس کی ترقی میں بھی عملی طور پر حصہ لیتے ہیں۔ڈاکٹر گیان چند جین اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "میرا من نے پہلی بار یہ نظریہ پیش کیا کہ اُردو ایک ملواز زبان ہے جو فارسی بولنے والے نووارد مسلمان اور دیسی زبان بولنے والے مقامی باشندوں کے سماجی و معاشی ربط سے وجود میں آئی۔ اس نظریے کو وہ سب علماء دہراتے رہے جو علم لسانیات سے ناواقف تھے ڈاکٹر سبزواری نے داستانِ زبان اُردو میں واضح کیا کہ دال اور چاول کو ملا کر کھچڑی تو بن سکتی ہے لیکن دو زبانوں کو مِلا کر تیسری زبان نہیں بنائی جا سکتی اور یہ حقیقت ہے زبان کے بنیادی مادے اور اصول کسی ایک زبان کے ہونگے۔ ماخوذ زبان کو اسی ماخذ زبان کی بدلی ہوئی شکل کہا جائے گا۔ اُردو بنیادی حیثیت سے کھڑی بولی ہے۔ کھڑی بولی وہی زبان ہے جو ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے۔" (۱۰)

اُردو کی اس دیرینہ مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی وجہ سے ہندی زبان کوشش کے باوجود وہ مقام اور ترقی حاصل نہ کر سکی جو خاص طور پر فورٹ ولیم کالج کے بعد حاصل کرنا ہندی کا خواب تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ ہندوستان کی مشترکہ زبان کہلائی۔ بہت سے مؤرخین، ماہرینِ زبان، ہندو، مسلمان اور یورپین نے اس بات کی تائید کی ہے کہ اُردو، ہندوستان کی ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک بآسانی سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ اپنی چار سو سالہ زندگی میں مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں، مختلف ناموں سے پکاری گئی۔ اردو کا لفظ اصل ترکی میں مختلف شکلوں میں ملتا ہے۔ یعنی اوردو، اوردہ، اردہ، اور اُردو، جس کے معنی لشکر کے اور لشکر گاہ کے ہیں۔ یہ لفظ ترکوں کے ساتھ پاک وہند میں داخل ہوا، تزک بابری، میں یہ لفظ لشکر گاہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے ہوا یہ کہ دہلی کے جس علاقے یا بازار میں مغل فوجیوں نے شاہی کیمپ یا چھاؤنی بنائی اس کا نام اردو بازار یعنی لشکر گاہ پڑ گیا۔ شاہجہان نے اس اُردو بازار کو اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اردوئے معلیٰ کا خطاب دیا۔ اور اس چھاؤنی میں رہنے والوں کی وہ مخلوط زبان جس کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے رابطہ اور اظہار خیال کرتے تھے۔ اُردو معلیٰ، اُردو زبان یا لشکری زبان کہلائی۔

کچھ ماہرینِ زبان اُردو کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اُردو کا لفظ اصلاً سنسکرت کا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ لفظ اُرداو (Urdaoo) ہے اور "ار" کے معنی ہیں دل اور داو کے معنی ہیں "دو"۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔ چونکہ یہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

ماخذ تحقیقی مجلہ

زبان ہندو مسلم تہذیب کے ملاپ سے وجود میں آئی اس لیے اس کا نام اُردو یعنی دو دلوں کو ملانے والا پڑ گیا۔ لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ اُردو کا لفظ اصلاً ترکی سے ماخوذ ہو یا سنسکرت سے یہ ایک بے تعلق بحث ہے لیکن اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ خاص زبان کے معنوں میں یہ لفظ بدیسی نہیں، دوسری مقامی زبانوں کی طرح، اُردو نے بھی ہندوستان اور پاکستان کے علاقوں میں جنم لیا ہے۔ یہ یہیں پروان چڑھی ہے اور ہندو مسلم تہذیب کے اتصال کی یادگار ہے۔ بقول ڈاکٹر تاراچند:

> ”جہاں تک ادب کا تعلق ہے، سنسکرت زبان لوگوں کہ انتہائی ادب ضروریات کے لیے کافی نہیں تھی۔ خیال اپنے اظہار کے لیے نئے آلات خود بنالیتا ہے۔ شمال میں ہندی، مغرب میں مرہٹی اور مشرق میں بنگال ادبی زبانوں کی حیثیت سے ترقی کر رہی تھیں اور ہندو مسلمان دونوں ان کی ترقی میں حصہ دار تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک نیا لسانی امتزاج رونما ہوتا ہے: مسلمان اپنی ترکی اور فارسی چھوڑ دیتے ہیں اور ہندووَن کی زبان کو اپناتے ہیں۔ فنِ معماری اور مصوری کی طرح وہ اپنی ضروریات کے مطابق اس میں بھی ترمین کرتے ہیں اور اس سے ایک نئے ادبی واسطے کا ظہور ہوتا ہے یعنی ”اردو“ پھر دیکھئے کہ ہندو اور مسلمان ان دونوں کو اپنا سمجھ کر اپناتے ہیں اور ایک انوکھا منظر رونما ہوتا ہے کہ ایک ہندی بھاشا کو ایک طرح کے ادبی اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اردو کو دوسری طرح اظہار کے لیے اور اس طرح جب کبھی ہندووَں یا مسلمانوں کا تخلیقی شعور ایک نہج پر کام کرتا ہے تو وہ ہندی استعمال کرتے ہیں اور جب دوسرے راستے پر انھیں لے جاتا ہے تو وہ اردو استعمال کرتے ہیں۔“ (۱۱)

اُردو کے کئی بڑے محققین اُردو زبان کی تشکیل و ارتقاء کے بارے میں اپنے اپنے نظریات پیش کرتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی اُردو زبان کو ہندوستان میں مسلمانوں کے قیام کی مرہون منت قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اُردو نے پنجاب میں جنم لیا اور اس کی پنجابی زبان سے مماثلت کی وجہ سے ان دونوں میں ماں بیٹی کا سا تعلق ہے۔ امتیاز علی خاں عرشی اسے ہندوستان میں افغانیوں کی آمد کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی اسے ہندووَں اور مسلمانوں کے میل ملاپ، آویزش و آمیزش اور باہمی ربط و ارتباط کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ بے شمار محققین اور ماہر لسانیات نے اپنے اپنے طور پر اُردو زبان کو اپنے اپنے علاقے کی زبان سے رشتہ قائم کرنے اور

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

اسے اُردو کا پہلا گہوارہ قرار دینے میں ایک طرح کا فخر محسوس کیا۔

اس نئی زبان میں شعر و شاعری کا سلسلہ تیر ہویں صدی کے اواخر سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ سترہویں صدی سے اس میں تصنیف و تالیف کا باقاعدہ کام ہونے لگا۔ نثر و نظم دونوں میں ہر قسم کے موضوعات پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج نے اپنے چھاپے خانے کا بھی انتظام کیا اور عربی، فارسی، اور سنسکرت کے ساتھ کالج میں اُردو زبان کا شعبہ بھی بطور خاص کھولا گیا۔ بہت سی کتابیں لکھوائی گئیں اور دوسری زبانوں سے ترجمہ کروائی گئیں۔ حتیٰ کہ ۱۸۳۷ء میں فارسی کی جگہ اُردو کو دفتری اور عدالتی زبان بنا دیا گیا۔ اسی دوران میں دلی کالج میں سارے مضامین (ریاضی اور سائنس) کے لیے اُردو کو ذریعہ تعلیم قرار دے دیا گیا۔ ان اقدامات نے اُردو کی ترقی اور مقبولیت کی رفتار کو اور تیز کر دیا۔ اس سارے عمل میں ہندو اور مسلمان دونوں برابر کے شریک رہے اور دونوں نے اسے اپنی زبان سمجھا۔ اُردو اپنے تاریخی، لسانی اور سماجی پس منظر میں یکسر مقامی زبان ہے۔ آج سے نہیں پچھلی کئی صدیوں سے اسے پاک و ہند میں لینگوا فرینکا کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اُردو زبان اپنی ساخت و پرداخت میں اتنی لچکدار اور جاذِب ہے کہ اپنے اندر لسانی خوبیوں کو تیزی سے جذب کرتی ہے اور اپنی اس کشادگی اور فراخدلی کے باعث اپنی خوبصورتی کو مزید نکھارتی اور سنوارتی چلی گئی ہے اُسے کہیں بگڑنے اور مسخ نہیں ہونے دیا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ”اُردو اپنی ساخت میں ایک مخلوط زبان ہے یعنی اس کی اساس مختلف زبانوں کے الفاظ پر قائم ہے اس اساس کو ہندو اور مسلمانوں کی سماجی، معاشرتی اور سیاسی ضرورتوں نے جنم دیا اور ان میں ہی دونوں کی باہمی کوشش سے اس نے ترقی کی راہیں طے کیں۔ لیکن اُردو کو مخلوط زبان کہنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ دُنیا کی اور زبانیں خالص ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ دُنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جو خالص ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ بات یہ ہے کہ زبان بھی اپنے بولنے والوں کی طرح سماجی و سیاسی عوامل و محرکات کی تابع ہوتی ہے۔ دُنیا کی کوئی زبان اپنے گردوپیش یا سوسائٹی سے ناطہ توڑ کر بہت دنوں تک عملاً زندہ نہیں رہ سکتی، جس طرح کسی فرد یا قوم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بقاو ترقی کے لیے سماج اور دوسری قوموں سے اپنے روابط استوار رکھے بالکل اسی طرح زندہ رہنے والی زبانوں کے لیے لازم آتا ہے کہ دوسری زبانوں سے ان کا ربط و ضبط بڑھتا رہے بغیر اس کے نہ کوئی فرد یا قوم، بین الاقوامی مسائل میں حصہ لے سکتی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے اور نہ کوئی زبان بین الملکتی تبادلہ خیال کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ زبانوں کے لیے ایک دوسرے سے استفادہ کرنا ناگزیر ہے۔ اس نقطہ نظر سے اُردو دنیا کی ساری زبانوں سے منفرد ہے۔ یہ اپنے وجود میں مختلف زبانوں کے مرکب کی حیثیت رکھتی ہے۔" (۱۲)

ہر چند کہ موجودہ ہندوستان میں سرکاری حیثیت سے اُردو کو ختم کر دیا گیا لیکن اس کی مقبولیت کی عملی صورت وہاں آج بھی وہی ہے جو قیام پاکستان سے پہلی تھی۔ بہت سے انصاف پسند حق گو ہندو مصنفین مثلاً منشی پریم چند، ڈاکٹر رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر تاراچند، پنڈت برجوہن، دتاتریا کیفی، ڈاکٹر آنند نرائن، اور فراق گورکھپوری وغیرہ نے بھی ایک جگہ نہیں بار بار اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اردو، ہندو مسلمان دونوں کا مشترکہ ورثہ ہے اور اسی کے ذریعے ان دو بڑی قوموں کے درمیان یکجہتی و یک دِلی ممکن ہے لیکن ان تمام مباحثوں میں یہ بات واضح ہے کہ ہندی اور اُردو زبان اپنی اپنی جگہ دو مستحکم، مربوط اور الگ حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ باہم چلتی تو ہیں مگر ایک نہیں ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

"ہندی اور اُردو، بول چال کی سطح پر بالکل ایک ہیں، لیکن علمی اور ادبی سطح پر کبھی ایک دوسرے کے لیے قابلِ فہم رہتی ہیں، کبھی نہیں۔ پاکستان ریڈیو کی اُردو خبریں، ہندی جاننے والوں کے لیے اور آل انڈیا ریڈیو کی ہندی خبریں، پاکستان کے اُردو دانوں کے لیے کافی حد تک قابلِ فہم ہوتی ہیں، لیکن ذرا مشکل۔ اُردو والوں کو بہت کم سمجھ میں آتی ہے۔ اس معیار پر انھیں ایک زبان تو مانا جائے گا لیکن دو بولیاں کہا جائے گا۔" (۱۳)

اگر ہندی اور اُردو زبان کی یکسانیت اور ایک بولی ہونے کی بات کی جائے تو یہ درست نہ ہو گا کیونکہ اُردو کی حیثیت ہندوستان میں مستحکم ہونے کے باوجود بدیسی زبان کی ہی رہی جب کہ اس کی مقبولیت کے پیشِ نظر یہ بات برملا کہتی اور سمجھی جاتی رہی کہ اگر کسی وقت ہندوستان آزاد ہوا تو اس آزاد مملکت کی سرکاری اور قومی زبان اُردو ہو گی لیکن مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے پر ہندوؤں کے سوچنے کا انداز یکر بدل گیا۔ ان میں ہندو مذہب اور ہندو قومیت کا جذبہ ایک سیاسی قوت کی شکل میں اُبھرنا شروع ہوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر وہ چیز ان کی نظروں سے کھٹکنے لگی جس پر مسلم ثقافت کی چھاپ تھی۔ چنانچہ ہندو مذہب اور قومیت کے پرچار کے لیے ایک نئی زبان "ہندی" کا پرچار کیا جانے لگا اور اُردو زبان میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیڑے نکالنے شروع ہو گئے۔ مثلاً اُردو کا رسم الخط مشکل ہے، یہ صرف شہر میں بسنے والوں کی زبان ہے اور یہ کہ یہ عام آدمی کے لیے سیکھنی مشکل ہے بلکہ یہ تک کہا جانے لگا کہ اُردو ہندی کی بگڑی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16
ماخذ تحقیقی مجلہ

ہوئی شکل ہے لہٰذا نقل کے بجائے اصل زبان ہندی کو اپنایا جائے۔ یہ سارے اعتراضات چونکہ بے بنیاد تھے اور صرف اور صرف سیاسی تعصبات پر مبنی تھے اس لیے ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد پر بھی اس کا اثر پڑا۔ اور یہی وہ حقائق تھے جو ہندو مسلم قوموں کی سیاسی راہوں اور منزلوں کو الگ کرنے کا باعث بنے۔

اگر تعصب اور تنگ نظری کی عینک ہٹا کر دیکھا جائے تو دونوں زبانوں کے رسم الخط، بول چال، ادائیگی الفاظ، صوتی آہنگ اور حروف کی تعداد اپنی بناوٹ اور لہجہ کے اعتبار سے بڑے واضح طور پر ایک دوسرے سے مختلف دکھائی دیں گی۔ مگر ہندی اُردو زبان کا یہ جھگڑا سیاست میں الجھ کر رہ گیا اور یہ مذہبی منافرت سے زیادہ مہلک ثابت ہوا۔ اُردو میں کھڑی بولی کی مقبولیت دیکھ کر ہندی نے بھی کھڑی بولی کی طرف توجہ کی اور اس تیزی سے ادب تخلیق ہوا کہ بیسویں صدی میں نئی ہندی نے اُردو کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ لیکن حروفِ تہجی کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود زبان کی صوتیات اور معنویت کے معاملے میں ہندی کا دامن تنگ رہا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> ”ہندی حروف تہجی اگرچہ تعداد میں بعض زبانوں سے زیادہ ہیں مگر اس میں بھی یہ صلاحیت نہیں کہ کسی دوسری زبان کو صوتی اور معنوی سالمیت کے ساتھ اپنے رسم الخط میں ادا کر سکے۔ ”ع“ کی آواز ہندی رسم الخط میں ادا ہی نہیں ہو سکتی اور وسیع، جمیع، سجیع کو ہندی میں صرف (وصی) (جمی) اور (سجی) لکھا جا سکے اور مشکل یہ ہے کہ یہ خود اُردو کے بامعنی الفاظ ہیں۔ ”ژ“ کی آواز رکھنے والے الفاظ مثلاً اژدہام، ژالہ، واژگوں، ژرف اور ژولیدہ ہندی رسم الخط میں اپنی صوتی کیفیت کھو بیٹھیں گے۔ الف ممدودہ کی آواز ہندی رسم الخط میں نہیں ادا ہو سکتی۔“ (۱۴)

اُردو اور ہندی زبان کے اس واضح فرق اور خلیج کو پاٹنا اور ان ایک زبان کہنا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ دو الگ رسم الخط، صوتیات کا مخصوص نظام اور مفاہم کی الگ تاریخ رکھنے والی زبانیں ہیں جو رہتی سہتی، سوتی جاگتی، ہنستی کھیلتی تو ایک آنگن میں رہیں مگر اپنی اپنی حیثیت میں ایک الگ منفرد پہچان اور شناخت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم ہند نے اس جھگڑے کو ختم کر دیا کہ آزاد ملک کی زبان کون سی ہوگی۔ اُردو پاکستان کی قومی زبان بنی اور ہندی زبان ہندوستان کی۔ ہندی زبان گو کہ اپنے پیروں پر اتنی مضبوطی سے مستحکم نہیں تھی تاہم اسے ملک کی سرکاری زبان اس لیے بنایا گیا کہ اس کے بولنے والے دوسری کسی بھی زبان کے بولنے والوں سے زیادہ تھے ہندی زبان میں ایک بڑی کمی یہ تھی کہ ادبی اعتبار سے یہ کم از کم دونوں زبانوں بنگلا اور تامل سے نیچے تھی۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16
ماخذ تحقیقی مجلہ

ہندوستان میں بولے جانے والی علاقائی و مقامی بولیوں کے مقابلے میں فارسی، عربی، اُردو اور ہندی کا چلن عام تھا۔ فارسی اور عربی زبان سے ملی جُلی زبان اُردو ہندی زبان کے مقابلے میں زیادہ عام فہم تھی۔ مغل حکومت نے فارسی زبان کے ذریعے اردو کے نئے ذائقے کو ہندوستانیوں کو شناسائی دی۔ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی زبان کے بطور سرکاری زبان ختم ہونے پر اُردو زبان تیزی سے مستحکم ہوئی۔ اور اُردو کے خلاف بنارس میں قائم ہونے والا، مرکز ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں کو بہت سے سبق سکھا گیا۔ مسلمان بالخصوص دیوناگری رسم الخط کے ہے ہندو اتحاد کو دیکھ مایوس ہوئے اور اپنی زبان کے دفاع کے لیے اکٹھا ہونا ناگزیر ہو گیا۔ قطع نظر اِس کے ملکی سیاست بھی زبانوں کے تغیر و تبدل پر بہت اثر ڈالتی ہے اور ہندی اُردو زبان کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ بقول محی الدین قادری زور:

> "اگر کسی ملک میں دو زبانیں ساتھ ساتھ رائج ہوں یا اگر کسی جگہ کی سرکاری اور دفتری زبان رعایا کی عام بولی کے مقابلے ایک جدا علمی و ادبی زبان ہو تو لسانی تغیر ضرور نمایاں ہوں گے۔ عوام کی زندگیوں کی تاریخ میں بعض ایسی واضح مثالیں نظر سے گزرتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زبانوں کے تغیر و تبدل ممالک کے سیاسی انقلابوں کا نتیجہ بھی ہوتے ہیں۔" (۱۵)

ہندی اُردو زبانوں کے اِن لسانی تنازعات اور بحث کے نتیجے میں دونوں زبانوں کے ادب کی ترقی اور بہتری میں مثبت نتائج سامنے آئے اور ایک بات طے ہو گئی کہ یہ دونوں زبانیں ارتباط و انسلاک کے ساتھ دو الگ الگ زبانیں ہونے کا درجہ رکھتی ہیں۔ اردو اپنا ایک تاریخی پس منظر رکھتی ہے اور تقریباً پانچ سال پرانی زبان ہے۔ ہندی اور اُردو رسم الخط الگ ہے، حروفِ و صوت اور تلفظ میں بھی فرق ہے نیز بہت سی مشترک چیزیں ہونے کے باوجود یہ دونوں اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں اور ان کی انفرادیت اپنی اپنی جگہ قائم ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈیوڈ کرسٹل۔ لسانیات کیا ہے؟ (مترجم) ڈاکٹر نصیر احمد۔ لاہور: نگارشات، ۱۹۹۷ء۔ ص ۴۴

۲۔ محی الدین قادری زور۔ ہندوستانی لسانیات۔ لاہور: گرین بکس، ۲۰۱۴ء۔ ص ۴۴

۳۔ سدھشیورورما۔ آریائی زبانیں۔ لاہور: مدرسہ معین الادب، (س۔ن)۔ ص ۱۹۶

۴۔ گیان چند، ڈاکٹر۔ لسانی رشتے۔ لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۰۳ء۔ ص ۱۴۴

۵۔ سید محمد۔ اربابِ نثر اُردو۔ لاہور: مکتبہ معین الادب، ۱۹۵۰ء۔ ص ۲۶۶

۶۔ گوپی چند نارنگ۔ اُردو زبان اور لسانیات۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔ ص ۵۴

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-16
ماخذ تحقیقی مجلہ

۷۔ محی الدین قادری زور۔ ہندوستانی لسانیات۔ ص ۱۴۴
۸۔ گوپی چند نارنگ۔ اُردو زبان اور لسانیات۔ ص ۹۹
۹۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر۔ اُردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک)۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔ ص ۴۹۴
۱۰۔ گیان چند، ڈاکٹر۔ لسانی جائزے۔ لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۰۵ء۔ ص ۱۰۰
۱۱۔ تارا چند، ڈاکٹر۔ تمدنِ ہند پر اسلامی اثرات (مترجم) محمد مسعود احمد۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۴ء۔ ص ۲۳۵
۱۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔ ہندی اُردو تاریخ۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع دوم، ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۹
۱۳۔ گیان چند، ڈاکٹر، لسانی رشتے۔ ص ۱۳۱
۱۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔ تحقیق و تنقید۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔ ص ۱۴
۱۵۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر۔ ہندوستانی لسانیات۔ ص ۴۴۔۴۵